عابد صدیق کی شعری خصوصیات

عاصمہ رانی*

ڈاکٹر شفیق احمد**

Abstract:

This article deals with Abid Siddique's poetic capabilities. A political, social and ethical scenario is presented in his poetry. His personal behavior, psychology and personality can also be visualised in his verses. He does not directly put forth his ideas and thoughts. Aesthetic talent and poetic sources can be seen in his poetry. His poetry is a study of his personality and society in a creative way. This article presents his poetic characteris tics in detail.

عابد صدیق کا مجموعہ کلام 'پانی میں ماہتاب' ۱۹۸۷ء میں ان کے قیامِ بہاول پور کے زمانے میں شائع ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد اُن کے فرزند صفوان محمد چوہان نے کچھ ضروری اور اہم اضافوں کے ساتھ 'پانی میں ماہتاب' کلیات کی صورت میں الحمد پبلی کیشنز لاہور سے ۲۰۰۶ء میں شائع کر دیا۔ عابد صدیق کی شاعری پر جامعہ بہاولپور میں نعیم نبی نے اپنے مقالہ برائے ایم۔اے ''عابد صدیق: شخصیت اور فن'' میں بحث کے لئے بلیغ نکات اٹھائے ہیں۔ ہماری کوشش ہوگی کہ وہ امور زیرِ بحث آئیں، جو کسی وجہ سے پہلے مذکور نہیں ہوئے یا مقالہ کے بعد نیز 'پانی میں ماہتاب' کے پہلے ایڈیشن کے بعد سامنے آئے۔ اسی میں یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ نعیم نبی کا مقالہ عابد صدیق مرحوم کی وفات سے صرف ایک سال پہلے یعنی ۱۹۹۹ء میں لکھا گیا جس میں عابد صدیق کی غیر مطبوعہ شاعری پر بھی بحث کی گئی ہے۔ بہر حال یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ اُردو کے مشہور نقاد پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا نے حال ہی میں اُردو غزل کا ایک انتخاب 'انتخابِ زریں' کے حوالے سے مرتب کیا ہے جس میں عابد صدیق کی ایک غزل کو بھی جگہ دی گئی ہے۔[1] جو لوگ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کو جانتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ روایت کے نقوش کے حوالے

* پی ایچ۔ڈی۔ سکالر شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

** اُستاد شعبہ اُردو، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

سے وہ ایک کڑا معیار رکھتے ہیں۔

۱۹۸۷ء میں چھپنے والے مجموعہ کلام 'پانی میں ماہتاب' اور 'کلیاتِ عابد صدیق' میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ بعد کی شاعری میں عابد صدیق نے حمد ونعت کی طرف توجہ زیادہ کر دی اور حمد ونعت کے لیے ان کا اسلوب ایسا ہے جو دل سے نکلتا ہے اور دل میں اتر جاتا ہے۔

عابد صدیق کی حمدیہ ونعتیہ شاعری پڑھ کر یوں احساس ہوتا ہے کہ کوئی شخص انتہائی عقیدت سے عشق خدا اور رسولؐ میں ڈوب کر نعت کہہ رہا ہے۔ عابد صدیق نے آزاد نظم کی ہیئت میں بھی نعت کہی لیکن آخر میں وہ پابند حمد و نعت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ۱۹۹۵ء میں کہی گئی حمد کے دو اشعار دیکھئے:

آگ تیری ہے جو بن جاتی ہے گلزارِ خلیل
پار کرتا ہے جو موسیٰ کو وہ جَل تیرا ہے
خاک تیری ہے جو قاروں کو نگل جاتی ہے
اور ہوا عاد کی ، پیغامِ اجل تیرا ہے (۲)

ایک مکمل اور واحد حمد جو انتہائی مشکل اور ثقیل الفاظ میں لکھی گئی ہے اور اس حمد کے تمام اشعار اپنے اندر ایک وسیع معانی ومفہوم رکھتے ہیں۔ تمام اشعار اور الفاظ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی حمد ہے جسے پڑھ کر پڑھنے والے کو اپنے ربِ عظیم کا احساس وادراک ہونے لگتا ہے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ عابد صدیق نے اس حمد کو پڑھنے والے کی آسانی کے لیے تمام مشکل الفاظ کی توضیحات بھی ساتھ دی ہیں تاکہ قاری تمام الفاظ کے معانی کو سمجھ لے اور حمد کا حق ادا ہو سکے۔ مثال کے طور پر:

ہے تجلی تری سامانِ وجود
اسم کا تیرے اثر لا محدود
میرا ہر حال ترا حسنِ کرم
یقظہ و صحو ہو یا سکر ہجود (۳)

ان اشعار کے آخری مصرع میں یقظہ، صحو، سکر اور ہجود عام الفاظ کی نسبت مشکل الفاظ ہیں اور مشکل الفاظ کی توضیحات بھی ساتھ دی ہیں۔ مثلاً یقظہ: بیداری کو کہتے ہیں۔ صحو: ہوش وحواس میں ہونا، جس سے آدمی احکامِ شرعیہ کی بجا آوری کا مکلّف ہوتا ہے۔ سکر: ہوش میں نہ ہونا، حالت سکر میں اعمال باطنی (ایمان، یقین، خوف، رجاء وغیرہ) میں انہماک کے سبب بعض اوقات سالک کو اعمالِ ظاہری سے ذہول ہو جاتا ہے۔ اس لیے مجازاً اس حالت کو ہوش میں نہ ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ ورنہ اعمال ظاہری کی پابندی کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتی۔ ہجود: جاگنا اور

سونا، دونوں معنوں میں آتا ہے۔ایسی نیند جس کے دونوں طرف جاگنا ہو۔''(۴)

عابد صدیق نعتیہ شاعری میں اپنا ایک بلند اور منفرد مقام رکھتے ہی ہیں، نعتیہ کلام کے علاوہ اپنی غزلیات اور متفرق اشعار میں بھی حبِ رسول اکرمؐ کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔مثلاً ان کی ایک غزل کا یہ مقطع دیکھئے:

تیرے یہ شعر بہت خوب ہیں مگر عابدؔ
سخن کا حق ہے کہ تو مدحتِ رسولؐ بھی کر (۵)

عابد صدیق عالم دین اور رمز شناسِ حقائق ہیں اس لیے وہ اپنی نعتوں میں اللہ رسولؐ اور امت میں فرق کو واضح کرتے ہیں، عابد صدیق نعت کہنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔اس حوالے سے ان کا یہ اشعار دیکھئے:

کبھی تیری انجمن میں مجھے جا کے نعت کہنا
کبھی تیری انجمن سے مجھے آ کے نعت کہنا
کبھی ہیبت حضوری سے زبان گنگ میری
کبھی نازِ باریابی میں سنا کے نعت کہنا (۶)

ان کی نعت کے چند اور اشعار دیکھیے جو اسی عقیدت کا والہانہ اظہار ہیں:

ہر دعویِ اظہار زِبس عجز بیاں ہے
بے مدحتِ شہؐ لفظ فقط ننگِ زباں ہے
الحمد ، مرے شعر کا منصب تری توصیف
والشکر ، ترا ذکر مرا محورِ جاں ہے
بے سمت جو ہو سر تو آوارہ خرامی
میرے لیے قبلہ ترے پاؤں کا نشاں ہے
ہے تیری شفاعت سے یہ امید سبھی کو
امت کو تری آتشِ دوزخ سے اماں ہے (۷)

عابد صدیق کی زندگی کے آخری سال انہوں نے نعتیہ کلام زیادہ کہا ہے، وہ اس بات کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ وہ جتنی بھی ثنا خوانی آقاؐ کریں لیکن ان کی حسرتِ اظہار کم نہیں ہوتی کیوں کہ ثنا خوانی رسولؐ میں کہا گیا ایک لفظ بھی رائیگاں نہیں جاتا۔نعت کے یہ چند اشعار دیکھئے:

وہ نعت ہمیشہ رہے روشن سرِ دیواں
جو اسمِ محمدؐ کے اجالے میں رقم ہو
اک عمر ثنا خوانی آقا میں گزاروں
اس پر بھی مری حسرتِ اظہار نہ کم ہو
دل ان کی محبت میں ہو سرشار تو عابدؔ
آہنگ غزل زمزمۂ نعت میں ضم ہو (۸)

عابدصدیق آقائے دوعالم کی بارگاہ میں حاضری کی بھی شدید خواہش رکھتے ہیں اور کہتے ہیں:

عابد کوئی لے جائے وہاں تجھ کو اُڑا کے
وہ پوچھ رہے ہیں ، مرا دیوانہ کہاں ہے (۹)

عابدصدیق کے کلام میں زیادہ نعتیں نہیں ہیں لیکن جو ہیں وہ ہرطرح کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔ عابدصدیق کی شاعری کے دومجموعے شائع ہوئے جن کے نام ایک ہی ہیں یعنی'پانی میں ماہتاب' فرق صرف یہ ہے کہ پہلا مجموعہ ۱۹۸۷ء میں عابدصدیق کی زندگی میں چھپا جب کہ دوسرا ایڈیشن بہت سے اضافوں کے بعد ان کی وفات کے بعد ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ اگر چہ یہ سارا کلام اوّلین کلام ہی کا تسلسل ہے مگر اس میں کچھ اضافی خصوصیات بھی موجود ہیں۔

اس دور کی شاعری میں خاص طور پر عہدِ حاضر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ عابدصدیق کی اپنے عہد کی تمام اچھائیوں، برائیوں اور بگڑے ہوئے حالات پر گہری نظر ہے اور وہ انہیں خاص طور پر اپنی شاعری میں جگہ دیتے ہیں۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے معاشرے کے حالات درست ہونے کے بجائے بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر چہ حالات تو کبھی اچھے نہیں رہے لیکن افراتفری اور ہنگامے بڑھ گئے ہیں۔ ہوسِ زر بہت زیادہ ہوگئی ہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے تمام جائز وناجائز ذرائع بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ عابدصدیق کی شاعری کے چند نمونے ملاحظہ کیجیے جن میں عصرِ حاضر کے آشوب کا بہت زیادہ اظہار ہے:

حوصلے بھی فراخ دے یا رب
جن کو دیتا ہے تو مکان کھلے
بند ہیں کالجوں کے دروازے
اور پھرتے ہیں نوجوان کھلے (۱۰)

کسی کو پیارا کوئی علاقہ، کوئی قبیلہ، کوئی زباں ہے
ہمارے شہروں میں چھوٹی چھوٹی محبتوں کے عذاب اترے (۱۱)

سب کے اپنے اپنے بکھیڑے، نفسی نفسی کا عالم
اک دوجے کو ڈھونڈیں تو جب قابو میں حالات کریں (۱۲)

شاعر کی زبان جو بھی ہو لیکن اس کے اسلوب اور موضوع میں فرق نہیں آتا، اس بات کا اوپر ذکر آ چکا ہے کہ عابدصدیق پنجابی اور ہندی زبان میں بھی شاعری کرتے تھے اور اسی عصر آشوب کو وہ ان زبانوں میں بھی پیش کرتے ہیں۔ پنجابی شاعری میں یہ مثال دیکھئے:

چپ رہیاں نہ لبھدا ایتھے حقداراں نوں حق
اوہی سچے جا پڑے جیہڑے بہتیں پوندے ڈنڈ (۱۳)

اندروں نے سب کلے کلے بھانویں کٹھے رہندے
منڈے کڑیاں چپ چپ پھردے، بابے رہن اداسے (۱۴)

ہندی شاعری دیکھئے:

برکت ایسی اٹھی جگ سے، بھکشا کا جگ آیا
پرجا روٹی مانگ رہی ہے، راجا مانگے ووٹ
مایا کے جادو نے گیان کے لکھشن بندھن توڑے
جوگی جی سے مالا چھوٹی، سادھو سے لنگوٹ (۱۵)

اسی طرح کے اور اشعار دیکھئے:

ارباب خیر شہر میں مفقود ہو گئے
جو ہیں، وہ اپنے آپ میں محدود ہو گئے
دنیا سے راستی کی روش ایسی اُٹھ گئی
جتنے خراب خلق تھے، محمود ہو گئے (۱۶)

عابدصدیق معاشرے کی ایک اور برائی کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ کہ مناصب کے ساتھ ساتھ لوگ اپنا رویہ

تبدیل کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

اس کے منصب نے طبیعت نہ بدل ڈالی ہو
دوست اپنا تھا، مگر افسر سرکاری ہے (۱۷)

عابد صدیق کے چند اشعار دیکھئے جو ایک اور سماجی برائی کو پیش کر رہے ہیں:

اب مجھے ہو گا بھلا کاہے کا ڈر
میں ہوں ممبر تو مرا یار وزیر
فیصلہ کوئی ازخود بھی کرو
ورنہ لے ڈوبیں گے اک روز مشیر (۱۸)

ہر معاشرے کی اپنی اخلاقی اقدار اور تہذیب ہوتی ہیں۔ اگر وہ اس معاشرے سے ختم ہوتی جا رہی ہوں تو وہاں کیا حالات ہوں گے؟ ان حالات کو عابد صدیق اپنی شاعری میں یوں کہتے ہیں:

روشنی بجھ گئی تہذیب کے میناروں میں
آدمی پھر نہ چلا جائے کہیں غاروں میں
آج بھی وجہِ ہلاکت ہے تصرف کی ہوس
وہی قصہ ہے مگر فرق ہے کرداروں میں (۱۹)

مندرجہ بالا تمام برائیوں کو عابد صدیق نے اپنی نظم 'تعمیر آشوب' میں یوں پیش کیا ہے:

نئے فلیٹوں، نئے مکانوں
نئے پلازوں کے سلسلوں کے
محاصرے میں
ہمارے شہروں میں
راحتوں کے ذخیرے، آسودگی کے اندوختے
زیادہ دنوں کفایت نہ کر سکیں گے
ہمارے شہروں میں یہ جو کالونیاں ہیں
ان میں حسین، روشن نئے مکاں ہیں
جنھیں بنانے میں، جن کی کرسی بلند کرنے میں
سارے لوگوں نے چاروں جانب سے ریت اٹھائی

گڑھے گھروں کے سبھی نے بھرنے کی آرزو میں
نئے گڑھے کھود کھود ڈالے!
فراز کو پست کر کے ہم نے بھرے ہیں سارے نشیب اپنے
ہماری دانش حسیں بنا کر دکھائے ہم کو فریب اپنے
ہمارے کھیتوں کی نرم کچی زمین کی پگڈنڈیوں
کے سینوں پہ پتھروں کے عذاب اترے
ہمیں نے خوش ہو کے نرم مٹی میں اپنے ہاتھوں سے
سنگ پاروں کی فصل بو کر
سڑک بنائی
اگر ہمارے دلوں کی نرمی شقاوتوں سے بدل گئی ہے
تو رنج کیا؟
ہماری تعمیر میں جو مضمر خرابیاں ہیں
وہ سب عیاں ہیں
ہمارے شہروں میں یہ جو کالونیاں ہیں
ان میں حسیں، روشن نئے مکاں ہیں
جنھیں بساتے بساتے ہم نے دلوں کی بستی اجاڑ ڈالی
دلوں میں شفقت نہیں ہے باقی
نہ اپنے سینوں میں روشنی ہے
ہماری تعمیر دیدنی ہے! (۲۰)

عابد صدیق جیسے انسان کبھی ان حالات سے مایوس نہیں ہوتے بل کہ وہ بہت زیادہ خواہش اور امید رکھتے ہیں کہ ایک دن یہ معاشرتی برائیاں ضرور ختم ہوں گی اور حالات بہتر ہو جائیں گے۔ مثال کے طور پر عابد صدیق اپنی نظم ''کینوس'' میں پہلے ان برائیوں کو بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد وہ یہ امید بھی ساتھ ہی رکھتے ہیں کہ ایک دن یہ منفی رویے بدل جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں:

ہمارے ذہن کینوس ہیں
رویے رنگ ہیں
جن سے ہمارے ذہن کے پردوں پہ تصویریں اُبھرتی ہیں
کئی خوش رنگ تصویریں

مروت، دوستی، ایثار والفت کے
دمکتے جگمگاتے رنگ جن میں جھلملاتے ہیں
بچھڑنے اور ملنے سے
کبھی مدھم، کبھی روشن یہ تصویریں
دلوں میں آشتی، اخلاص وخوش خواہی
رفاقت اور محبت کے
حسیں جذبوں
تمناؤں، دعاؤں کے نقوش
ان زندہ تصویروں میں روشن ہیں
یہی اِک دوسرے سے ربط کا حاصل...... یہ تصویریں
ہمارے ذہن کینوس ہیں
رویے رنگ ہیں جن سے
ہمارے ذہن کے پردوں پہ تصویریں ابھرتی ہیں
ہماری نفرتیں، خودغرضیاں، کینے
حسد سے، کبر سے اور ظلم وناترسی سے پُر سینے
کہ اِک دوجے کو زَک دینے کو ہم رہتے ہیں داؤ پر
اور اس پر ظاہری ہمدردیاں، اخلاص کی ایکٹنگ
نمک بنتی ہے گھاؤ پر
فریب ومکر کی ظلمت، نفاق وزَور کی شب رنگ تاریکی نے
شکلیں مسخ کر ڈالیں
ہمارے دل بھیانک صورتوں کے بوجھ سے بے کل
ہماری روح اس ربط اذیت ناک سے گھائل
عجب آشوب ہے، ہم جس میں بے بس ہیں
ہمارے ذہن کینوس ہیں
یہ سب کچھ ہے، مگر پھر بھی
خدا کا شکر ہے ہم میں ابھی انسان کے فضل وشرف کا
کچھ نہ کچھ احساس باقی ہے
کہ ہم میں ہر کوئی دل میں لیے پھرتا ہے یہ خواہش

حسین تصویر ہواس کی
دلوں میں دوسروں کے عزت وتوقیر ہواس کی
اگر ایسا ہے
آ ؤ آج سے ہم
اپنے ان منفی رویوں کو بدل ڈالیں
رویے رنگ ہیں
جن سے ہمارے ذہن کے پردوں پہ تصویریں ابھرتی ہیں
ہمارے ذہن کینوس ہیں! (۲۱)

اسی امید کی کرن کو عابد صدیق ایک غزل کے شعر میں یوں کہتے ہیں:

سرحدیں بانٹ نہیں سکتیں دلوں کو عابؔد
لوگ دروازے بنا لیتے ہیں دیواروں میں (۲۲)

عابد صدیق کا فن یہ بھی ہے کہ وہ بات کو کئی طریقوں سے بیان کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پہلے ایک بات کہتے ہیں پھر اس سے مختلف بات کہتے ہیں لیکن اس میں شعریت مکمل ہوتی ہے۔ ایسا تمام کلام بھی غزل کے معیار پر پورا اترتا ہے اور اس میں تغزل بھی موجود ہوتا ہے۔ مثال کے لیے یہ اشعار دیکھئے:

سنتے تھے جن کے حسنِ روابط کی شہرتیں
وہ لوگ بھی ہمیں تو بڑے عام سے لگے (۲۳)

عجب نہیں کہ کسی دن وہ خود چلا آئے
ہمارے حسنِ روابط کی شہرتیں ہیں بہت (۲۴)

ایک اور مثال دیکھئے جس میں یہ فن نظر آتا ہے:

آج ان کی نظر میں پرسش ہے
کس نے جا کر انہیں لگائی بات (۲۵)

ہر کوئی ایک رکھائی سے ہمیں ملتا ہے
جانے کس کس سے کیا جا کے لگائی اس نے (۲۶)

عابد صدیق کے کچھ مخصوص موضوعات ہیں جن میں وہ ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے پیش کرتے

ہیں مثلاً ایسے معاشرے جہاں سچ بات کہنا پسند نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی سچ کہے تو اسے تکلیف سے گزرنا پڑتا ہے اس کی مثال حضرت امام حسینؓ اور حسین بن منصور کی شہادتوں سے پرکھا جاسکتا ہے۔ جہاں سچ کہنے کا نتیجہ موت ہو وہیں اکثر اوقات لوگ جھوٹ بول کر سچے بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ :

عجب رسم چلی اب کے شہر میں عابدؔ
جو سر بلند ہوا، مستحق دار ہوا (۲۷)

سر نہ بچ پائے کبھی ، ان کا مقدر تھا یہی
کھنچ گئے دار پہ یا بندھ گئے دستاروں میں (۲۸)

کیا کیجئے کے جھوٹ تھا، لیکن ہر ایک بات
ہوتی ہے حق شمار جسے دار پر کہیں (۲۹)

اسی طرح کی مثالیں ہندی شاعری میں بھی ملتی ہیں:

کایا ایسی پلٹی آیا انہونی کا راج
ٹھاکر در در ٹھوکر کھائیں ، پنڈت بنے سوالی (۳۰)

برکت ایسی اٹھی جگ سے ، بھکشا کا جُگ آیا
پَرجا روٹی مانگ رہی ہے ، راجا مانگے ووٹ (۳۱)

باگھ بگھیلے دھاڑا مار کے بن میں راج کریں
پتے کھانے والے بیٹھے کرتے رہیں جگالی (۳۲)

کس نے پھل اس باغ سے پایا طوطا جس کا مالی
باڑہ بسے وہ کیسے جس کی باگھ کرے رکھوالی (۳۳)

اسی ایک خیال کو پنجابی و ہندی شاعری میں دیکھیں:

دیگ دے سر تے چڑھی کنالی ، ہلکا ہویا اُچا
باندر بیٹھا کرسی تاڑے ، چوہا لبھے نک (۳۴)

جو ہلکا تھا اوپر آیا جو خالی تھا بولا
تیل کے سر پر جھاگ چڑھا ہے دیگ کے سر پر تھالی (۳۵)

ایک ہی بات کو مختلف انداز سے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ موضوعات ہر شاعر کے مخصوص موضوعات ہوتے ہیں، اسی طرح عابد صدیق کے بھی کچھ موضوعات مخصوص ہیں۔ مثال کے طور پر پتھر میں موجود بت یا شکل و صورت اور تیشے کی محنت عابد صدیق کا من بھاتا موضوع ہے، جسے انہوں نے برتا بھی بہت خوبی سے ہے۔

تیشہ چلے تو سنگ کا جوہر بھی کھل سکے
کیا کیا ہوا عزیز نہ پتھر کٹا ہوا (۳۶)

یہ کیا ہوا کہ تیشہ لہو میں نہا گیا
مرمر کے بت میں لعل و جواہر کی کان تھی (۳۷)

پریوں کو نہیں خاص فقط قاف کی وادی
ہر سنگ سے بت نکلا، جو تیشے نے صدا دی (۳۸)

ہندی شاعری دیکھئے:

تیشہ ہاتھ میں لے کر نکلے تو ہم نے یہ جانا
کیسی کیسی مورت بستی ہے پتھر کی اوٹ (۳۹)

سمے تھپیڑے کھا کے جوگی نے پایا گن گیان
پتھر ہیرا بن جاتا ہے کھا کر چوکھ چوٹ (۴۰)

عابد صدیق کی شاعری منفرد سوچ اور جداگانہ اسلوب کا بھی مظہر ہے۔ ہماری شاعری کی تاریخ میں آغاز سے لے کر موجودہ دور تک محبوب کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہوتا۔ محبوب کی تعریف بیان کرنے میں تمام خوبصورت چیزوں کو تشبیہ اور استعاروں کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے لیکن محبوب کے معاملے میں عابد صدیق اپنی منفرد سوچ اور حسنِ نظر رکھتے ہیں۔ وہ محبوب کو عام انسان کہتے ہیں لیکن اس سے محبت بھی ٹوٹ کر کرتے ہیں۔

مثال کے طور پر چند اشعار دیکھئے جو محبوب کے منفرد نظریے کو پیش کرتے ہیں:

مانا وہ عام شخص ہے ، حور و پری نہیں
کیا کیجئے جو پھر بھی ہمیں وہ حسیں لگے (۴۱)

رہ جائے رفاقت کا بھرم ، عشق یہی ہے
تو چاند کا ٹکڑا ہے ، نہ ہم لوگ جیالے (۴۲)

عابد صدیق کے مضامین یعنی ''تحسینیات'' غیر مطبوعہ پر توجہ کی جائے تو پتا چلے گا کہ ''تحسینیات'' غیر مطبوعہ میں ان کا ایک غیر مطبوعہ افسانہ بعنوان ''عام آدمی'' بھی شامل ہے۔(۴۳) گویا عابد صدیق اپنے لیے شاعری کے محبوب کے لیے روایتی محبوب اور عاشق کا رویہ اختیار نہیں کرتے بلکہ وہ ان سب کے لیے عمومیت کا رویہ اختیار کرتے ہیں یعنی ان کے خیال میں ہر شخص خواہ وہ محبوب ہو یا عاشق ، وہ سب ایک ہی طرح کے عام لوگ ہوتے ہیں۔

عابد صدیق کی شاعری میں خیال اور مشاہدہ کی گہرائی بھی پائی جاتی ہے جو ان کی شعری معنویت کو بڑھاتی ہے۔ اعلیٰ شاعری کی بنیاد تخیل کی گہرائی پر بھی ہوتی ہے کیوں کہ اس سے مفاہیم و مطالب میں جدت کا احساس ہوتا ہے۔ یہ اشعار دیکھئے:

ایسا موسم کبھی نہ آیا تھا
چہرے کالے ، گلاب پیلے ہیں
راستوں پر ہے ناگ کا پہرا
آنکھ پتھر ہے ، پاؤں نیلے ہیں (۴۴)

پاؤں لگنے لگے ہیں مٹی پر
کم ہوئی پانیوں کی گہرائی (۴۵)

جو ہلکا تھا اوپر آیا جو خالی تھا بولا
تیل کے سر پر جھاگ چڑھا ہے، دیگ کے سر پر تھالی (۴۶)

عابد صدیق کا سادہ اور آسان اسلوب ان کی بنیادی شاعری کا حصہ نہیں ہے بلکہ مشکل و ثقیل الفاظ کا استعمال بھی ان کے اسلوب کا خاصہ ہے۔ وہ اپنی شاعری میں مشکل تراکیب کو استعمال کرتے ہیں اور اس کے ساتھ

ساتھ عربی و فارسی کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔ عابد صدیق کے ثقیل الفاظ کے استعمال سے غزل کا آہنگ اور تغزل گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا ہے اور ان کا کلام پڑھنے اور سننے میں بے حد اچھا لگتا ہے۔ مشکل و ثقیل الفاظ کے استعمال کی چند خوب صورت مثالیں دیکھئے:

غبارِ عاشقاں ہے ربطِ خاک و بار سے پیدا
سرِشکِ چشم و سوزِ دل، وصالِ آب و آتش ہے (۴۷)

نے بوئے گل ، نہ زمزمۂ مرغِ خوش نوا
بے اعتبار باد صبا کا چلن ہوا (۴۸)

چمن میں خاک وخس و خار کے لگے انبار
زفیر زاغ و زغن نغمۂ بہار ہوئی (۴۹)

اک مجمعِ رندانِ صفا کیش بہم ہے
کچھ تذکرہ پیر خرابات ہی ہو جائے (۵۰)

جنس خیال عشرت رفتہ گراں نہیں
نقدِ نشاطِ وعدۂ فردا ہے کم عیار
جاں رو کشِ غبارِ حوادث ہے آئنہ
دل ہے حریف صرصر ایام سبزہ زار (۵۱)

سواستِ شان کریمی زِ ظرف اہل طلب
زمیں کی پیاس بجھا کر بھی سیل بہتا تھا (۵۲)

عابد صدیق کی اس مشکل پسندی کو ان کی نظم 'ایک سوال' میں دیکھئے:

مجھے وطن سے محبت ہے
میں وطن کو سلام کرتا ہوں
اس کی عظمت پہ فخر کرتا ہوں......لیکن اس میں کلام کرتا ہوں

اس چمن کے گلاب میرے ہیں، اس چمن کی بہار میری
ترانۂ طائرِ خوش آواز و نغمگیِ ہزار میری
مگر یہ کانٹے!
یہ جھاڑ جھنکار، خار و خس......اس چمن میں کیوں ہے
زفیر زاغ و زغن فزوں ہے......ترانۂ و زمزمہ زبوں ہے
میں سوچتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟(۵۳)

غالب کی طرح عابد صدیق کی شاعری کی خوبی بھی یہ ہے کہ مشکل زبان کے ساتھ ساتھ بہت سادہ زبان بھی استعمال کرتے ہیں اور اپنے پیغام کو سادہ لفظوں اور اسلوب کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس خوبی کے برتاؤ کی چند مثالیں دیکھئے:

ٹھہری ہے کڑی دھوپ زمانوں کے سروں پر
گر صبح مقدر میں نہیں ، رات ہی ہو جائے (۵۴)

ایک لمحے کو بچھڑنے والے
ایک لمحہ بھی تو مدت ہوگا (۵۵)

زندگی یوں بھی زندگی ٹھہری
کٹتے کٹتے بھی دیر لگتی ہے (۵۶)

عابد صدیق کی شاعری کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں کچھ مخصوص استعاروں اور علامتوں کا استعمال زیادہ کیا ہے نعیم نبی نے اپنے مقالے 'عابد صدیق: شخصیت اور فن' میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔(۵۷) ان کے استعاروں میں شہر، راستے، سفر اور چاند کا استعمال زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جلوے، صحرا رات کے الفاظ بھی ان کے مخصوص استعاروں میں آتے ہیں۔ عابد صدیق نے اپنی شاعری میں ان استعاروں کو پوری پوری غزل اور بعض اوقات چند شعروں میں استعمال کیا ہے۔ مثال کے طور پر چاند کا استعارہ ان کی ساری شاعری میں بہت زیادہ ہے اور ایک غزل تو ایسی بھی ملتی ہے جس کی ردیف ہی چاند ہے۔ غزل کے چند اشعار دیکھئے:

کہنے کو ہے افلاک کے ماتھے پہ جڑا چاند
ہم کو تو ترا نقشِ قدم جان پڑا چاند

ان کا شب مہتاب میں اِترا کے یہ کہنا
صورت تو ذرا دیکھئے آیا ہے بڑا چاند (۵۸)

چاند کے ساتھ کرن، چاندنی اور ماہتاب کا استعمال بھی ملتا ہے۔مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے جس میں انہوں نے اپنے مخصوص استعاروں صحرا، رات، کرن اور ماہتاب کا استعمال کیا ہے:

ڈھلا جو دن تو ہمارے صحرا میں آسماں سے سراب اترے
جو رات آئی تو وادیوں میں کرن کرن ماہتاب اترے (۵۹)

عابد صدیق نے اپنی شاعری میں ۳۲ بار چاند، ۸ بار چاندنی اور اس کے ساتھ کرن، ماہتاب، چندا اور چندنیا کے استعارے بھی استعمال کیے ہیں۔ چاند کے بعد جن استعاروں کا زیادہ استعمال نظر آتا ہے، ان میں راستے، راستوں، راہ، سفر اور شہر وغیرہ شامل ہیں۔مندرجہ ذیل اشعار مثال کے لیے پیش خدمت ہیں:

منزلیں بھی ہیں راستے ان کو
جن کے سر پہ ہیں آسمان کھلے (۶۰)

اس وقت یہ کھلا کہ سفر بھی سراب ہے
جب واپسی کے راستے مسدود ہو گئے (۶۱)

وہ راہ میں تھا اور رسائی بھی تھی ممکن
لیکن ہمیں ملحوظ تھے آداب سفر کے (۶۲)

میرے قاتل کی وجاہت سے ہیں مرعوب گواہ
منصفِ شہر بھی مائل بہ طرف داری ہے (۶۳)

اس شہرِ خرابی سے نکل چلیے کہ عابؔد
اچھا ہے ذرا سیر مضافات ہی ہو جائے (۶۴)

عابد صدیق کے کلیات میں چونتیس (۳۴) بار راستے، راستوں اور آٹھ (۸) بار راہ کا استعارہ استعمال ہوا ہے۔اسی طرح اُنتیس (۲۹) بار شہر اور سات (۷) بار شہروں کا استعمال ملتا ہے وہ صنعتوں کا بھی مناسب اور متوازن استعمال کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے استعمال میں مقام، محل اور طریقے کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

صنعتوں کے استعمال سے ان کے کلام کی بلاغت، فصاحت، نفاست اور اسلوب کی جدت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔
عابد صدیق کی شاعری میں صنائع بدائع کے استعمال کی چند مثالیں دیکھئے:

صنعتِ تلمیح:

عابد صدیق کی اُردو شاعری میں صنعتِ تلمیح کی چند مثالیں دیکھئے:

وہ بات کیا تھی ہوئیں جن کی اتنی تعبیریں
ترا بیان ہمیں اعلان تاشقند لگا (۶۵)

ہے کوفیوں میں آج وہی شخص معتبر
شہر نبی میں جو کبھی بلوائیوں میں تھا (۶۶)

پنجابی شاعری میں بھی یہ مثالیں ملتی ہیں:

یا کوئی روگ اے مٹیاراں نوں، سب دے ہاسے پھکے
یا ہن سہاگ پڑے وچ لوکیں بُھل گئے رکھنا سک (۶۷)

دھنّہ اونہاں دا مرنا، جیہڑے مر کے وی نیں مردے
جوگی چلا گیا، پَر اج وی مَٹھ وچ دیوا بلدا (۶۸)

ہندی شاعری دیکھئے:

پریم کتھا پرسُدھ ہوئی سنسار میں جب گھر چھوٹا
راون لے گیا سیتا کو اور ہیر سے چھوٹا جھنگ (۶۹)

عابد جی یہ پریت کے گھاؤ، اندر جلے الاؤ
پتا پانی ہو جاتا ہے، پانی بنتا بھاپ (۷۰)

صنعتِ مراعاۃ النظیر

عابد صدیق کی اُردو شاعری میں صنعتِ مراعاۃ النظیر کی مثالیں دیکھئے:

برگِ گل شرم سے ہیں سرخ صبا کے آگے
بادِ گل ریز سے کلیوں کو حیا آتی ہے (۷۱)

مزاج پایا نہ پانیوں کا کنارِ دریا کی بستیوں نے
خلاف اُمیدیاں ہمیشہ چڑھے ہیں راوی، چناب اترے (۷۲)

ہندی شاعری دیکھئے:

کس نے پھل اس باغ سے پایا طوطا جس کا مالی
باڑہ بسے وہ کیسے جس کی باگھ کرے رکھوالی (۷۳)

عاؔبد جی تم ایک بھلے ہو، سوچ کے پینگ بڑھاؤ
پیچ پڑے پر ٹھہر سکے گی کتنی دیر پتنگ ! (۷۴)

پنجابی شاعری میں بھی ایسا کلام مل جاتا ہے:

عاؔبد جی تم ایک بھلے ہو، سوچ کے پینگ بڑھاؤ
پیچ پڑے پر ٹھہر سکے گی کتنی دیر پتنگ ! (۷۵)

صنعتِ تضاد

اُردو کے یہ اشعار دیکھئے جن میں صنعتِ تضاد کی مثالیں ملتی ہیں:

حق و باطل اور سزا و ناسزا کچھ بھی نہیں
سب ہمارے دم سے ہے، ہم سے جدا کچھ بھی نہیں (۷۶)

سوالِ قطع تعلق پہ 'ہاں' نہ کہہ ظالم
مزا تو تب تھا کہ ہر بات پر 'نہیں' ہوتی (۷۷)

پنجابی کلام دیکھئے:

ہاسا کھیڈ تے رسنا رونا تیرے نال سی سجن
ہن تاں چپ اجہی لگی جو بھل گئے ہنجو ہاسے (۷۸)

ہندی شاعری میں یہ مثال دیکھئے:

کبھی پون کا جھونکا بن کر یہاں وہاں پھر جائے
بگیا میں جا پھول کھلائے، بن میں دھول اڑائے (۷۹)

صنعتِ تکرار

صنعتِ تکرار کی اُردو شاعری میں مثال دیکھئے:

ہے دشت دشت میں سوکھی زبان کانٹوں کی
چمن چمن میں لہو رنگ گل کھلے تو کیا (۸۰)

پنجابی کلام دیکھئے:

اندروں نے سب کلے کلے بھانویں کٹھے رہندے
منڈے کڑیاں چپ چپ پھردے، بابے رہن اداسے (۸۱)

ہندی شاعری میں یہ مثال دیکھئے:

گرج گرج کھل جائے بادل۔ برسے نہ برسائے
جنم جنم کی پیاسی دھرتی ہمک ہمک رہ جائے (۸۲)

کمرے کی کھڑکی کھولو اور دیکھو چاند کا رنگ
پیلا پیلا چہرہ اس کا ، مرا مرا ہر انگ (۸۳)

ضرب المثل

انہوں نے اپنی شاعری میں ضرب المثل کو بڑی خوبی سے برتا ہے اور اس کے علاوہ ان کے ایسے اشعار اور مصرعے بھی ملتے ہیں جن میں بجائے خود ضرب المثل بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کی رائے ملاحظہ کیجئے:

> ''............ان کی غزلیں پڑھتے ہوئے بوجھل پن کا احساس نہیں ہوتا حالاں کہ وہ اتنی سادہ بھی نہیں ہیں۔ جہاں جہاں انھوں نے پُر کاری کو سادگی کا روپ بخشا ہے وہاں وہ ایسے ایسے اشعار نکال گئے ہیں جن میں ضرب المثل بن جانے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ ان کے ہاں الفاظ کی سادگی کے اندر معنویت کی متعدد سطحیں دکھائی دیتی ہیں۔'' (۸۴)

عابد صدیق کی اُردو شاعری میں ضرب المثل دیکھئے:

ہر گوہر حکمت مرا غرقاب غزل ہے
نیکی جو کوئی تھی بھی تو دریا میں بہا دی (۸۵)

موردِ طعن رہی طبع ثمر ور اپنی
گھر میں بیری ہو تو آ جاتے ہیں پتھر کتنے (۸۶)

پنجابی شاعری میں یہ مثال دیکھئے:

بھریا گھڑا ناں بولدا ، تے خالی دیندا تال
جیہڑے وچوں کھوکھلے اوہ بہتی پوندے ڈنڈ (۸۷)

اسی طرح کا ایک اور شعر دیکھئے:

مال حرام تے خورے اج کیوں بندے راضی ہوئے
خربوزہ ناں لبھے ، گدڑ کدی ناں کھاندا آ ک (۸۸)

ہندی شاعری میں ضرب المثل دیکھئے:

اس کا کہاں ٹھکانہ جس کا بیری ہو سنسار
رائی کا پربت بن جاتا ہے پنکھ سے بنتی ڈار (۸۹)

پریتم کی چھب جی کو کھا گئی ، اب کیا کریں بچاؤ
چڑیاں کھیت کو چگ جائیں تو پچھتاوے کیا ہوت (۹۰)

عابد صدیق کے وہ اشعار دیکھئے جو ہمارے ضرب المثل کے ذخیرے میں شامل نہیں ہیں لیکن ان میں ضرب المثل بننے کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔ یہ مثال دیکھئے:

چاندنی رات ہے، اداسی ہے
کوئی چاندی ہو، میل دیتی ہے (۹۱)

پنجابی کلام میں بھی یہ مثال ملتی ہے:

چار چفیرے وجدا ، ساڈے پنڈ دا اُچاں ناں
ناچے نٹ نے چودھری، تے موہری ساڈے بھنڈ (۹۲)

اسی طرح کا ہندی کلام دیکھئے:

اپنے رنگ میں پکے ہو کر دشمن کا منہ پھیرو
کیل کو ٹیڑھا کر دیتی ہے ہو پکی دیوار (۹۳)

ہٹ کا پکا بالک بھی ہو تو راجا کہلائے
اس کی پوچھ سوا ہوتی ہے جو کرتا من مانی (۹۴)

عابد صدیق کی شاعری کا ایک اور منفرد پہلو دیکھئے، وہ شاعری جس میں مشکل پسندی موجود ہو اور جس میں کئی زبانوں کی آمیزش موجود ہو، موسیقیت کی حامل نہیں ہوسکتی لیکن ہمیں معلوم ہے کہ عابد صدیق علم موسیقی کے ماہر بھی تھے اور وہ خود بھی بہت اچھا گا لیتے تھے۔ یہ بات ممکن نہ تھی کہ ان کی شاعری میں موسیقیت نہ ہو۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ مشکل پسندی کے باوجود عابد صدیق کی شاعری میں مترنم بحریں نظر آتی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ ایسے حروف کا استعمال کرتے ہیں جو بجائے خود مترنم ہوں نیز وہ اپنی شاعری میں لفظوں کے ایسے جوڑے بناتے ہیں جن کا آغاز و اختتام یکساں حروف پر ہو رہا ہو لیکن یہ چیز اس وقت زیادہ دل چسپ بن جاتی ہے جب عابد صدیق اپنے اشعار میں لفظوں کے ایسے جوڑے لاتے ہیں جو حروف علت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ معنوں میں بھی نیا پن اور تضاد پیدا کردیں۔ چند مثالیں دیکھئے:

رکھ زباں بند اور کان کھلے تجھ پہ تیری ہی داستان کھلے
منزلیں بھی ہیں راستے ان کو جن کے سر پر ہیں آسمان کھلے
نہ کہو داستانِ محرومی شکر نعمت میں گر زبان کھلے
راستوں پر ہرے درختوں کے
دھوپ چمکی تو سائبان کھلے (۹۵)

شام کو روز اس سے ملتا ہوں رات ...... تنہا، اداس، کٹتی ہے
لوگ ہنس بول کر چلے بھی گئے میز پر چائے اب بھی رکھی ہے
زندگی یوں بھی زندگی ٹھہری کٹتے کٹتے بھی دیر لگتی ہے (۹۶)

ہندی شاعری دیکھئے:

جیون کو ایندھن کر ہم نے شدھ کیا ہے دھیان
ہم نے تو یہ بھوگ کیا ہے، کھائے جس کے بھاگ (۹۷)

عابد صدیق اپنے تخلص کو مختلف زبانوں میں مختلف طریقے اور پیرائے سے استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر عابد صدیق اُردو شاعری میں اپنا نام عاؔبد، حضرت عاؔبد اور عاؔبد میاں استعمال کرتے ہیں جب کہ پنجابی شاعری

میں صرف عآبد ہی استعمال کیا ہے لیکن ہندی شاعری میں عابد صدیق نے بالکل مختلف طریقہ اختیار کیا ہے اور بہت کم عآبد استعمال کیا ہے بلکہ انھوں نے اپنے نام کے ساتھ ''جی'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور اس طرح سے عآبد جی کا استعمال ہندی شاعری کی خصوصیت ہوئی۔ ہندی شاعری میں ''عابد جی'' کے استعمال کی خاص وجہ یہ نظر آتی ہے کہ عابد صدیق راجپوت تھے اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب ہندی راجوں، مہاراجوں کے ناموں کے ساتھ 'جی' کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔ 'جی' کے استعمال سے ایک خاص قسم کی تکریم کا احساس ہوتا ہے جیسے کوئی بہت محبت وعقیدت سے بات کر رہا ہو۔ عابد صدیق کی ہندی و اُردو شاعری میں ایسی مثالیں دیکھئے جن میں انھوں نے عآبد، حضرت عآبد، عآبد میاں اور عآبد جی کا تخلص استعمال کیا ہے:

متاعِ جاں کو جلا کے ہم نے دلوں کو روشن کیا ہے عآبد
جلا نشیمن تو غم نہیں، بجلیوں کے رخ سے نقاب اترے (۹۸)

کچھ ایسا درد تھا عابد ہمارے لہجے میں
حضورِ حق میں دعا بھی غزل شمار ہوئی (۹۹)

بچھڑتے رہتے ہیں دنیا میں لوگ لوگوں سے
تمہیں نے حضرت عآبد بہت ملال کیا (۱۰۰)

جب وہی سنتا نہیں عآبد میاں اپنی غزل
سچ تو یہ ہے شعر کہنے کا مزا کچھ بھی نہیں (۱۰۱)

پنجابی شاعری کی مثال دیکھئے:

عآبد اوتھے کی لڑیے جتھے ورھیاں دا ورتاوا
لے بھائیا توں جیتا، اساں پھیر لئی جے کنڈ (۱۰۲)

ہندی کلام میں یہ مثالیں ملاحظہ کیجیے:

گیان پران سبھی جھوٹے جو اُس تک نہ لے جائیں
عآبد جی...... ہے جس کے ہاتھ میں جیون رتھ کی باگ (۱۰۳)

عابد صدیق اپنی ایک ہندی نظم سادھو کی بانی کا آغاز یوں کرتے ہیں:

عابؔد جی کل یوں کہتے تھے اک سادھو کی بانی
دور دور سے جس کے درشن کو آئے تھے گیانی (۱۰۴)

ہندی شاعری کی ایک اور مثال دیکھئے:

عابؔد جی من سمجھاون کی چنتا کاہے کرتے
کب مانے ہے بات کسی کی من موجی البیلا (۱۰۵)

عابد صدیق کی شاعری میں ہمیں علاقائی اثر بھی ملے گا۔ ملازمت کے سلسلے میں جب ۱۹۷۵ء میں ان کا تبادلہ بہاول پور ہوا تو اس وقت سے لے کر ۲۰۰۰ء اپنی وفات تک عابد صدیق بہاول پور میں ہی رہے۔ بہاول پور کے علاقے کو یہ خاص مقام حاصل ہے کہ یہ 'روہی' کے علاقوں میں آتا ہے اور یہ 'روہی' وہ 'روہی' ہے جس کا سب سے زیادہ ذکر ہمیں خواجہ فریدؒ کے کلام میں ملتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ادیب پر اپنے علاقے کے اثرات ضرور ہوتے ہیں اور جس کی جھلک اس کی تحریروں میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح سے یہ علاقائی اثر عابد صدیق کے کلام میں بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار دیکھئے:

جینہوں دیکھو، اُٹھ تے بیٹھا، ڈھولے ماہیے گاوے
عشق دا بوٹا روہی دے وچ ڈھاڈا پُھلدا پَھلدا (۱۰۶)

ورھیاں پچھوں لے کر مڑیا راہی ماروتھل دا
مونہہ سر مٹی وا وروے ، تحفہ دیس پُنل دا (۱۰۷)

عابد صدیق وسیع المطالعہ اور صاحب علم شخص تھے۔ وہ دوسرے شعرا کا مطالعہ ذوق وشوق سے کرتے تھے، عابد صدیق کی شاعری میں اسی مطالعے کا اثر ملتا ہے اور ان کے کلام میں دوسرے شعرا کے فکر واسلوب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے مثلاً میرؔ کا یہ شعر دیکھئے:

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا (۱۰۸)

اور اب عابد صدیق کے یہ اشعار دیکھیے، جن میں میرؔ کا رنگ نظر آتا ہے:

کچھ اپنی طبیعت کا تقاضا بھی یہی ہے
کچھ عمر کی رونق نے بھی وحشت کو ہوا دی (۱۰۹)

شہر وحشت زدوں کی بستی ہے
جس کو پوچھو ، وہ گھر نہیں ملتا (۱۱۰)

غالبؔ ایسا شاعر جو اپنے فکر و اسلوب سے سب کو متاثر کرتے ہیں ۔ عابد صدیق کی شاعری پر بھی یہ اثرات نظر آتے ہیں۔غالبؔ کا یہ شعر دیکھئے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشتِ امکاں کو ایک نقشِ پا پایا (۱۱۱)

اسی طرح کے فکرو اسلوب والا عابد صدیق کا یہ شعر دیکھئے:

سمندِ شوق کا اگلا قدم کہاں ہوگا
کہ جادۂ سرِ امکاں ہمیں غبار ہوا (۱۱۲)

عابد صدیق کے اس شعر میں بھی غالبؔ کا اثر نظر آتا ہے۔ملاحظہ کیجیے:

جاں رو کشِ غبارِ حوادث ہے آئینہ
دل ہے حریفِ صرصرِ ایام سبزہ زار (۱۱۳)

عابد صدیق حالؔی سے بھی متاثر نظر آتے ہیں۔مثال کے لیے حالؔی کا یہ شعر دیکھئے:

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے (۱۱۴)

عابد صدیق کا یہ شعر دیکھئے جس میں حالؔی کا رنگ جھلکتا ہے:

دنیا سے راستی کی روش ایسی اُٹھ گئی
جتنے خراب خلق تھے ، محمود ہو گئے (۱۱۵)

فیض احمد فیضؔ کے اثرات بھی عابد صدیق کی شاعری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔فیض کا یہ شعر دیکھئے:

نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اُٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چُرا کے چلے ،جسم و جاں بچا کے چلے (۱۱۶)

عابد صدیق کا یہ شعر دیکھئے جو فیضؔ کے اثرات کو پیش کرتا ہے:

عجب رسم چلی اب کے شہر میں عابؔد
جو سر بلند ہوا ، مستحقِ دار ہوا (۱۱۷)

افتخار عارف کا فکر و اسلوب بھی عابد صدیق کی شاعری میں نظر آ تا ہے۔ افتخار عارف کا یہ شعر دیکھئے:

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے (۱۱۸)

اسی طرح کے فکر و اسلوب والا عابد صدیق کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

پتھر کی دیواروں کو میں گھر مانوں تو کیسے
کاش یہ ہوتا میرے گھر میں کوئی نہ پتھر ہوتا (۱۱۹)

عابد صدیق کی شاعری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی شاعری میں کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسے مصرعے لاتے ہیں جو قرآنی آیت و حدیث کا ترجمہ یا دوسرے شعرا کے مصرعے ہوتے ہیں۔ عابد صدیق بہت مہارت کے ساتھ ان مصرعوں کو اپنے کلام سے ہم آہنگ کرتے ہوئے کلام کی خوب صورتی کو بڑھاتے ہیں۔ عابد صدیق با قاعدہ طور پر ظاہر کرتے ہیں کہ یہ مصرعے تضمین ہیں اور کئی جگہوں پر وہ ان مصرعوں کو ایسے بھی استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے لیے یہ مختلف اشعار دیکھئے:

''سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا''
تعبیر کی غرض سے ضرورت تھی خواب کی (۱۲۰)

اس شعر کا پہلا مصرع ایک قرآنی آیت کا ترجمہ ہے جسے عابد صدیق نے اپنے کلام میں خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ایک اور مثال دیکھئے جو کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شان میں کہی گئی منقبت ''روئے مصحف پہ بنا جس کا لہو سرخ لکیر'' کے اشعار ہیں:

ہاتھ جس شخص کا دستِ شہِ عالمؐ ٹھہرے
شاہِ کونینؐ کی جنت میں رفاقت جو کرے
شان میں جس کی شہنشاہ دو عالمؐ یہ کہے
''ہے معاف آج کے بعد اس کو جو چاہے وہ کرے'' (۱۲۱)

ان اشعار کا آخری مصرع بھی ایک حدیث کا ترجمہ ہے جسے عابد صدیق نے کمالِ فن سے اپنے کلام کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے۔ عابد صدیق تضمین کرتے ہوئے اکثر مصرعوں کو تبدیل بھی کرتے ہیں تا کہ وہ ان کے کلام کے ساتھ ہم آہنگ ہوں اور کلام کا وزن بھی برقرار رہے۔ ایسی ایک مثال دیکھئے:

آیئے شانِ وطن مل کر دوبالا کر دیں
سب سے اعزاز و شرف میں اسے اعلیٰ کر دیں

اس کو توقیر میں عالم سے نرالا کر دیں
''دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دیں'' (۱۲۲)

ان اشعار کا آخری مصرع شاعرمشرق علامہ اقبال کا ہے جو یوں ہے:

دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے (۱۲۳)

لیکن عابدصدیق نے اسے تبدیل کر کے اسے ''دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دیں'' کر دیا تا کہ کلام کا حسن، وزن، ردیف اور قافیہ برقرار رہے۔ عابدصدیق نے دوسرے شعرا کے پورے پورے مصرعے بھی تضمین کیے ہیں۔ یہ اشعار دیکھئے:

مردِ فقیر ، شاہ جی کہتے تھے جس کو لوگ
جس کو فقط غلامیِ افرنگ کا تھا روگ
اس مرد حُر کا قوم نہ کیونکر منائے سوگ
''پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ'' (۱۲۴)

ان اشعار کا آخری مصرع میر تقی میرؔ کا ہے جسے عابدصدیق نے اپنے کلام میں استعمال کیا ہے۔ میر تقی میرؔ کا یہ شعر یوں ہے:

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہ رہی (۱۲۵)

اسی طرح کی ایک اور مثال دیکھئے:

وہ جس کے دل میں ملت بیضا کا درد تھا
ہیبت سے جس کا چہرہ طاغوت زرد تھا
اصحاب مصطفیٰؐ کی جماعت کا فرد تھا
''حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا'' (۱۲۶)

ان اشعار کا آخری مصرع غالبؔ کا ہے، جسے عابدصدیق نے خوب صورتی کے ساتھ اپنے کلام میں ہم آہنگ کیا ہے۔ غالب کا یہ شعر یوں ہے:

یہ لاش بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا (۱۲۷)

عابدصدیق بعض اوقات دوسرے شعرا کے کچھ مصرعوں کا کچھ حصہ تضمین کرتے ہیں، یہ مثال دیکھئے جس

میں عابد صدیق نے داغ کے ایک مصرع کا کچھ حصہ اپنے کلام میں برتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

رگ رگ میں اس کے نقش محبت میاںؐ کی تھی
خدمت سپرد اس کے گو ہندوستاں کی تھی
اس کی نگہ کی زد میں تو وسعت جہاں کی تھی
اب سوچتے رہو کہ وہ مٹی کہاں کی تھی (۱۲۸)

ان اشعار کا آخری مصرع داغ کے ایک مصرعے کا کچھ حصہ ہے۔ داغ کا یہ شعر یوں ہے:

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں میری مٹی کہاں کی ہے (۱۲۹)

عابد صدیق کی اُردو غزل ہو یا ہندی، نظمیں ہوں یا تضمین کیے ہوئے شعری حصے وہ سب اعلیٰ درجے کی شاعری پر محیط ہیں اور ان کا تقابل بڑے بڑے قدیم و جدید شعرا سے کیا جا سکتا ہے نیز دوسری صنعتوں کے علاوہ عابد صدیق تضمین کے فن میں بھی ید طولیٰ رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر، پروفیسر، انتخاب زریں، اُردو غزل، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۸ء، ص ۳۷۵

۲۔ حافظ صفوان محمد چوہان (مرتب) پانی میں ماہتاب، کلیات، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۸

۳۔ ایضاً، ص ۲۹

۴۔ ایضاً، ص ۳۰

۵۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۶۔ ایضاً، ص ۳۲

۷۔ ایضاً، ص ۵۴

۸۔ ایضاً، ص ۵۷۔۵۶

۹۔ ایضاً، ص ۵۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۸۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۸۷

۱۲۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۲۹

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۳۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۸۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷۳

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۰۶

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۹۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۱۹۷

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۲۳۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۱۴۰

۲۴۔ ایضاً، ص ۱۴۳

۲۵۔ ایضاً، ص ۱۴۹

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۲۷۔ ایضاً، ص ۲۰۱

۲۸۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۱۰

۳۰۔ ایضاً، ص ۲۵۸

۳۱۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۳۲۔ ایضاً، ص ۳۱۰

۳۳۔ ایضاً، ص ۲۵۷

۳۴۔ ایضاً، ص ۲۲۵

۳۵۔ حافظ صفوان محمد چوہان (مرتب) پانی میں ماہتاب، کلیات، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۲۵۸

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۱۶

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۷۲

۴۰۔ ایضاً، ص ۲۷۳

۴۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۴۳۔ حافظ صفوان محمد چوہان (مرتب) تحسینیات، غیر مطبوعہ، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۸۷

۴۴۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۳۰۸

۴۵۔ ایضاً، ص ۱۷۵

۴۶۔ ایضاً، ص۲۵۸

۴۷۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۱۹۰

۴۸۔ ایضاً، ص۲۰۲

۴۹۔ ایضاً، ص۲۰۹

۵۰۔ ایضاً، ص۱۸۳

۵۱۔ ایضاً، ص۱۷۹

۵۲۔ ایضاً، ص۹۳

۵۳۔ ایضاً، ص۶۷۔۶۶

۵۴۔ ایضاً، ص۱۸۳

۵۵۔ ایضاً، ص۴۷

۵۶۔ ایضاً، ص۸۸

۵۷۔ عابد صدیق شخصیت اور فن،مقالہ برائے ایم اے (اُردو) نعیم نبی،ص۵۷

۵۸۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۸۶

۵۹۔ ایضاً، ص۱۸۷

۶۰۔ ایضاً، ص۱۸۱

۶۱۔ ایضاً، ص۱۸۵

۶۲۔ ایضاً، ص۲۹۰

۶۳۔ ایضاً، ص۱۷۴

۶۴۔ ایضاً، ص۱۸۴

۶۵۔ ایضاً، ص۲۰۵

۶۶۔ ایضاً، ص۱۵۹

۶۷۔ ایضاً، ص۲۲۴

۶۸۔ ایضاً، ص۲۲۶

۶۹۔ ایضاً، ص۲۲۹

۷۰۔ ایضاً، ص۲۷۵

۷۱۔ حافظ صفوان محمد چوہان (مرتب) پانی میں ماہتاب، کلیات، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص۲۱۳

۷۲۔ ایضاً، ص۱۸۸

۷۳۔ ایضاً، ص۲۵۷

۷۴۔ ایضاً، ص۲۵۰

۷۵۔ ایضاً، ص۲۳۱

۷۶۔ ایضاً، ص۲۱۰

۷۷۔ ایضاً، ص۲۸۳

۷۸۔ ایضاً، ص۲۳۰

۷۹۔ ایضاً، ص۲۴۶

۸۰۔ ایضاً، ص۲۱۵

۸۱۔ ایضاً، ص۲۳۰

۸۲۔ ایضاً، ص۲۳۹

۸۳۔ ایضاً، ص۲۳۸

۸۴۔ ایضاً، ملفوظ، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، ص۱۹

۸۵۔ ایضاً، ص۱۱۶

۸۶۔ ایضاً، ص۱۴۱

۸۷۔ ایضاً، ص۲۲۸

۸۸۔ ایضاً، ص۲۲۵

۸۹۔ ایضاً، ص۲۵۲

۹۰۔ ایضاً، ص۳۱۰

۹۱۔ ایضاً، ص۸۸

۹۲۔ ایضاً، ص۲۲۸

۹۳۔ ایضاً، ص۲۵۲

۹۴۔ ایضاً، ص۲۵۹

۹۵۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۱۸۱

۹۶۔ ایضاً، ص۸۸

۹۷۔ ایضاً، ص۲۵۵

۹۸۔ ایضاً، ص۱۸۸

۹۹۔ ایضاً، ص۲۰۹

۱۰۰۔ ایضاً، ص۱۹۴

۱۰۱۔ ایضاً، ص۲۱۱

۱۰۲۔ ایضاً، ص۲۲۹

۱۰۳۔ ایضاً، ص۲۵۶

۱۰۴۔ ایضاً، ص۲۴۲

۱۰۵۔ ایضاً، ص۲۶۶

۱۰۶۔ ایضاً، ص۲۲۶

۱۰۷۔ حافظ صفوان محمد چوہان (مرتب) پانی میں ماہتاب،کلیات، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء،ص۲۲۶

۱۰۸۔ احمد جاوید (مرتب) انتخاب،کلیاتِ میر، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ، طبع اوّل، جولائی ۲۰۰۰ء، ص۱۳۰

۱۰۹۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۱۱۶

۱۱۰۔ ایضاً، ص۱۵۱

۱۱۱۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انتخاب، اُردو کلیات غالب، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، روہندر بھون، ۳۰۔ فیروز شاہ روڈ، ص۱۰۵

۱۱۲۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۲۰۰

۱۱۳۔ ایضاً، ص۱۷۹

۱۱۴۔ الطاف حسین حالی، دیوان حالی، لاہور: القمر پرنٹرز، ۱۹۸۹ء،ص۱۱۹

۱۱۵۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۱۸۵

۱۱۶۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، لاہور: مکتبہ کارواں، ص۱۲۳

۱۱۷۔ پانی میں ماہتاب،کلیات،ص۲۰۱

۱۱۸۔ افتخار عارف، مہر دو نیم، مکتبہ دانیال، کراچی: وکٹوریہ چیمبرز، عبداللہ ہارون روڈ، اشاعت ہفتم ۱۹۹۱ء، ص ۵۷

۱۱۹۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۲۳۶

۱۲۰۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۲۱۔ ایضاً، ص ۲۹۳

۱۲۲۔ کلیات اقبال، اُردو، لاہور: اسد پبلشرز، سرکلر روڈ، ص ۲۰۷

۱۲۳۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۲۹۵

۱۲۴۔ انتخاب کلیات میر

۱۲۵۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۲۹۶

۱۲۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، انتخاب، اُردو کلیاتِ غالب، ص ۴۰

۱۲۷۔ پانی میں ماہتاب، کلیات، ص ۲۹۶

۱۲۸۔ ڈاکٹر محمود الرحمٰن (مرتب) انتخاب، کلام داغ، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۱۵۳

حاشیہ

عابد صدیق (پ: ۱۹۳۹ و: ۲۰۰۰) ۱۲ر مئی ۱۹۳۹ء کو پٹڑی دوریاریاست پٹیالہ ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ والدین کے ساتھ ہجرت کر کے وہاڑی آ گئے۔ میٹرک کا امتحان وہاڑی سے پاس کیا۔ ایف۔ اے اور بی۔ اے کے درجے ایمرسن کالج ملتان سے پاس کیے۔ ایم۔ اے اُردو اورینٹل کالج لاہور سے ۱۹۶۲ء میں پاس کیا۔ گیارہ برسوں میں تیرہ تبادلوں بعد رحیم یار خاں اور آخر کار بہاول پور میں اقامت گزیں ہو گئے۔ یہاں سے ریٹائرمنٹ لی اور ۷ر دسمبر ۲۰۰۰ء کو اپنی جانِ عزیز جانِ آفریں کے سپرد کی۔